افکار

[مقامی رسالہ "بیّنات" میں ابوأسامہ حسن العجمی کے فرضی نام سے "فضل الرحمانی تحقیقِ ربوا کی حقیقت" کے زیرِ عنوان ایک تحریر مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اپنے طرزِ نگارش اور معیارِ تحقیق کی بنا پر یہ تحریر بزم "فکر و نظر" میں جگہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہمارے علما کے ایک مخصوص گروہ کی ترجمانی کی مدعی ہے۔ اس لئے ہم اپنے قارئینِ کرام سے معذرت چاہتے ہوئے اسے شریکِ اشاعت کر رہے ہیں۔

اس کی پہلی قسط پچھلے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔

موازنہ کی سہولت کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے مقالے کا متعلقہ حصہ ساتھ کے کالم میں درج کیا جا رہا ہے۔]

(۲)

ربوا اور حدیث

شراب کی طرح ربوا زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اور اس طرح کا کاروبار

آگے چل کر آپ نے اپنا زورِ جہاد حضرت عمرؓ کے قول "قرآن کی سب سے آخری آیت ربا والی آیت ہے" کے لفظ آخری پر صرف کیا ہے اور اس جہاد کی زد میں ابن عباسؓ کی وہ روایات بھی لے آئے ہیں جس میں

کرنے والوں کے لئے اتنا زیادہ اور اس قدر جلد ملنے والا نفع تھا کہ اس کی حرمت کا حکم بھی شراب کی تحریم کی طرح بتدریج نازل ہوا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے اس کی مذمت نبوت کے ابتدائی سنین میں ہجرت سے کافی قبل سورہ روم کی آیت میں نازل ہو چکی تھی حکیمانہ نرمی کے ساتھ مذمت والی آیت کے بعد اس سلسلے کی دوسری اور تیسری تنزیل یقیناً مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ہوئی ہوگی۔ لیکن روایات اس کے برخلاف ہیں۔ اور یہیں سے غلط فہمیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس بارے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو حضرت عمر رض کی طرف منسوب ہے۔ اور درج ذیل ہے:۔

ان آخر ما نزل من القرآن آیۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربوا والریبۃ۔

یعنی "قرآن کی سب سے آخری تنزیل ربا کی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا لئے گئے اور وہ اس کی تفسیر نہ بیان کر سکے۔ اس لئے ربوا اور ریبہ (یعنی مشکوک معاملے) دونوں کو چھوڑ دو۔" یہ روایت مسند احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی کی دلائل النبوۃ اور اسی طرح کی

انھوں نے "واتقوا یوما ترجعون" والی آیت کو آخری آیت قرار دیا ہے۔ لیکن اس لاگ لپیٹ میں بھی وہی عیاری ٹپک رہی ہے۔ یعنی پہلے تو حضرات عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال درج کئے اور پھر بجائے اس کے کہ کسی ٹھوس دلیل اور منطقی استدلال سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رض سے مروی ایک روایت کو غلط معنی پہنا کر ان دونوں روایتوں سے ٹکرا دیا چنانچہ اس شعبدہ گری سے جب روایتوں میں معاوضے کی صورت میں بھی آپ نے کا "تبرا" نہ بولا، جہاں جہاں من مانی تاویلیں کرنے کا محل نظر آیا وہیں "زجاج دوست" کو "سنگ دوست" پر دے مارا۔

حضرت عمر رض کی روایت ہے "آخر میں جو نازل ہوا وہ سود کی آیت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھا لئے گئے اور آپ نے ہمارے لئے اس کی وضاحت نہیں کی۔ پس تم ربوا بھی چھوڑ دو اور ریبہ بھی" (یعنی جس پر سود کا گمان ہو)۔

یہ روایت کافی مشہور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس روایت پر سر تسلیم خم کرلیں تو پھر سود کا حلال کرنا تو درکنار، اس کے شبہ کو بھی معتبر قرار دینا پڑے گا۔ (حالانکہ فقہا نے شبہ کے شبہ کو بھی سود کے معاملہ میں معتبر قرار دیا ہے) چنانچہ سب سے پہلے تو آپ نے روایت کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی اور اس

طبقہ متاخرین کے دوسرے محدثوں کی تالیفات میں ملتی ہے (کنز العمال، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۱۲ھ، ج ۲، ص ۲۳۱ نمبر ۴۹۵۲م) اسی مضمون کی لیکن محدود تر معنوں میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک روایت صحیح بخاری میں ہے۔ امام بخاریؒ نے سورۃ البقرہ کی آخری آیات ربوا کا باب باندھ کر روایت کی ہے:۔ حدثنا قبیصۃ ابن عقبۃ حدثنا سفیان بن عاصم عن الشعبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال آخر آیۃ نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ الربوا (صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ، باب واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ۔ ایضاً کتاب البیوع، باب موکل الربا جہاں یہ روایت موقوفاً درج ہے لیکن آیات ربوا یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا۔ سے لیکر وھم لا یظلمون تک نقل کرکے یہ اثر بیان کیا گیا ہے) یعنی "آخری آیت (بصیغۂ واحد) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ ربوا کی آیت (ایضاً بصیغۂ واحد) تھی"۔ اولاً ایک نہ دو پوری سات آیتوں کے لئے صیغۂ واحد کا مکرر استعمال حیرت کی بات ہے۔ ثانیاً کتاب التفسیر میں اسی مقام پر جہاں یہ روایت درج ہے وہیں حضرت عائشہ رضؓ سے چار طریقوں سے یہ مروی ہے کہ:-

کے لئے ضروری تھا کہ ان الفاظ میں سے ہی ایسا نکتہ لے اڑا جائے جس سے اس روایت کے نتائج سے پیچھا چھڑایا جا سکے، چنانچہ پہلے آپ نے اس پر گریہ و زاری کی کہ یہی ظالم تو وہ روایت ہے جو ساری غلط فہمیوں کی جڑ ہے، اور اس غلط فہمی کا ثبوت یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ

لما نزلت الایات من آخر سورۃ البقرۃ فی الربا قرأھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الناس ثم حرم التجارۃ فی الخمر

جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور پھر شراب کی خرید فروخت (بھی) حرام قرار دیدی۔

حضرات عمرؓ، ابن عباسؓ اور عائشہؓ کی روایات کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو جو معارضہ شدید نظر آرہا ہے اسے ہم ان کی غلط فہمی یا کم عقلی پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ عبارت کے مفہوم کو مسخ کرنے جملوں کو توڑنے مروڑنے اور عبارتوں میں انتہائی کیاست کے ساتھ کتر بیونت کرنے کے لئے بڑی ذہانت درکار ہوتی ہے۔ جس کا بین ثبوت آپ اپنی کتاب "اسلام میں نبوت" میں بھی پیش کر چکے ہیں اور اس مقالہ میں بھی۔ یہ سب کچھ محض ناواقف اور سیدھے سادے لوگوں کو گمراہ کرنے یا پھر حلت سود کے خواہشمندوں کو خوش کرنے کی ایک عیارانہ تکنیک ہے۔

اب رہا یہ امر کہ آخر بالکل آخری کون سی آیت قرار پائی

لما نزلت الآیات من آخر سورۃ البقرۃ فی الربا
قرأها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الناس
ثم حرم التجارۃ فی الخمر
یعنی "جب سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (بصیغہ جمع)
ربا کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ آیتیں سنا کر شراب کی خرید
فروخت کو (بھی) حرام قرار دیا" اس روایت کی
رو سے حضرت عائشہ رضؓ نے نہ صرف ان آیات
کے آخری تنزیل ہونے سے سکوت کیا ہے بلکہ اس کا
تعلق شراب کی خرید و فروخت کی تحریم سے جوڑ کر

تو اس معاملہ میں مفسرین محدثین اور شارحین نے بیسویں
صدی کے کسی "عقل کل" کے لئے مسئلہ کو تشنہ نہیں چھوڑا
چنانچہ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں تحریر فرماتے
ہیں:۔ (بسلسلہ تفسیر واتقوا یوما۔ الآیۃ)
"اس آخری آیت کی توجیہ کے سلسلہ میں دو اقوال
مروی ہیں اور ان کو اس طرح تطبیق دی [۲] سکتی ہے کہ
یہ آیت ربا کے سلسلہ میں نازل شدہ آیات کی آخری کڑی
ہے.... اور اس کے آخری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورہ
بقرہ کی یہ آیات سورہ آل عمران کی آیات (اضعافا
مضاعفا) کے عرصے بعد نازل ہوئیں" [۱]

۱و۲ علامہ ابن حجر عسقلانی رح کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے:۔

تنبیہ۔ المراد بالآخریۃ فی الربا تأخر نزول
الآیات المتعلقۃ من سورۃ البقرۃ واما حکم
تحریم الربا فنزوله سابق لذلك بمدۃ طویلۃ
علی ما یدل علیہ قولہ تعالیٰ فی آل عمران فی أثناء
قصۃ احد "یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربا
اضعافا مضاعفۃ" الآیۃ
(فتح الباری، قاہرہ ۱۳۲۵ھ ج ۸ ص ۱۴۲)

تنبیہ:۔ ربا کے بارے میں آخریت سے مراد یہ ہے کہ اس
کے متعلق سورہ بقرہ والی آیتیں آخر میں نازل ہوئیں۔
باقی رہا، ربا کی حرمت کا حکم، تو وہ اس سے طویل مدت
قبل نازل ہو چکا تھا اور اس پر دلیل ہے سورہ آل عمران
کا وہ فرمان الٰہی جو غزوہ احد کے قصہ کے دوران میں آیا ہے
یعنی "یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربا
اضعافا مضاعفۃ" الی آخر الآیۃ

صاف واضح ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رح کا قول ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تائید کر رہا ہے اگر ربا کی حرمت کا حکم "حکم تحریم الربا" غزوہ احد کے سلسلہ میں نازل ہو چکا تھا جیسا کہ محدث ابن حجر رح فرما رہے ہیں اور جس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں موجود ہے تو اس صورت میں حضرت عمر رض کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ "قرآن کی سب سے آخری تنزیل ربا کی آیت ہے رسول اکرم ؐ اٹھا لئے گئے اور وہ اس کی تفسیر نہ بیان کر سکے اسلئے ربا اور ریبہ دونوں کو چھوڑ دو" ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ غزوہ احد جیسا کہ سب جانتے ہیں ۳ھ کا واقعہ ہے جس کے بعد رسول اکرم ؐ دس سال اس جہان فانی میں تشریف فرما رہے۔ ترجمہ میں تحریف و تصرف کرنا اور ایسی مسائل میں "علمی دیانت اور ذہنی امانت"

اسے ۴ھ کے لگ بھگ نازل ہونے کے لئے قیاس کی راہ کھول دی ہے۔ کیونکہ عام روایات کے رو سے اسی سال شراب کی حرمت کا حکم ہوا تھا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اسی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سورۃ براۃ (التوبہ) کے ذیل میں حضرت براء رضؓ سے مروی ہے کہ:

آخر آیۃ نزلت: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ وآخر سورۃ نزلت براءۃ۔ (ایضاً صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب آخر آیۃ نزلت، الخ)۔ یعنی "آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہ تھی: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ اور آخری سورت براۃ تھی۔ صحیح بخاری سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو اس باب میں احادیث کے معارضے کا اور زیادہ فراخ دروازہ کھل جاتا ہے جس کی تفصیل امام سیوطی رح نے علوم قرآن کی

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تطابق میں آخر کیا اشکال ہے اور اگر کچھ باقی رہ بھی گیا ہو تو یہ ایسا شدید معارضہ تو نہیں تھا کہ اس سے آپ علمی دیانت اور ذہنی متانت[۲] بھی کھو بیٹھیں۔ خیر چھوڑیئے اس بحث کو ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کئے لیتے ہیں اور ممکن ہے یہ مفروضہ قرین واقعہ بھی ہو کہ یہ آیت سب سے آخری آیت نہیں ہے پھر آخر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ ضرور ۴ھ کی آیت ہے[۳] حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے جو دلیل فراہم کی گئی ہے وہ محض کج بحثی کی دلیل ہے زمانہ تنزیل کی نہیں۔ یہ روایت "ما نزلت الآیات من آخر سورۃ بقرۃ"...... الخ (جب ربا کے بارے میں سورہ بقرہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے پڑھ کر سنا دیں پھر آپ نے شراب کی تجارت کو بھی حرام قرار دیدیا۔[۴]

---

[۳] شکر ہے کہ اب اتنا تو آپ بھی مان رہے ہیں کہ "ممکن ہے یہ مفروضہ قرین واقعہ بھی ہو کہ یہ آیت سب سے آخری آیت نہیں ہے"۔ اب اس سے یہ واضح اور لازمی نتیجہ نکالتے ہوئے کیوں ہچکچاتے ہیں کہ ممکن ہے یہ مفروضہ بھی قرین واقعہ ہو کہ حضرت عمر رضؓ کی طرف یہ قول غلط منسوب کیا گیا کہ یہ آیت سب سے آخری آیت ہے۔"

رہا یہ کہ "پھر آخر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ ضرور ۴ھ کی آیت ہے"۔ اس کی ایک دلیل تو وہ تھی جو آپ نے اگلے ہی جملے میں نقل کی ہے اور اسے اپنے مخصوص انداز میں بلا دلیل و حجت "کج بحثی کی دلیل" قرار دیا ہے۔ آپ کو بھی اس انکار نہیں کہ حرمت خمر کا حکم ۴ھ میں نازل ہوا تھا۔ اب اس کی تجارت کی مخالفت کے حکم کے ساتھ اس آیت کے نزول کے واقعہ کا منسلک ہونا، بدیہی طور پر اس آیت کے "۴ھ ہجری کے لگ بھگ نازل ہونے کے لئے قیاس کی راہ کھول رہا ہے"۔ اس میں "کج بحثی" کیا ہوئی؟ - اس کی دوسری دلیل آگے جا کر بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو شق نمبر (۴) صفحہ ۶۹

[۴] اس حدیث کا صحیح ترجمہ کرنے کے بعد (جیسا کہ ... میں درج ہے) بھی صاحب چھپائے۔ کیونکہ یہ انکی "علمی دیانت اور ذہنی متانت" کے مقتضیات کے برخلاف تھا چنانچہ اسی حدیث کے ترجمہ میں تحریف و تصرف کر کے شکل وہ بنا دی جو متن میں درج ہے ہمیں یقین ہے کہ ان سے یہ غلطی محض عادت کی بنا پر سرزد ہوئی ہے ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمداً تصرف کر کے من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار کی وعید کا سزاوار ہونا وہ یقیناً ناپسند فرمائیں گے۔

ماخذ کتاب الاتقان کی نوع ثامن معرفۃ آخر ما نزل (الاتقان محولۂ بالا، ج ۱ ص ۳۴ تا ۳۵) میں بیان کی ہے۔

روایات کے اس شدید معارضے کے علاوہ اور بھی کئی وجہیں ایسی ہیں جن سے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب اثر کو رد کرنا ضروری ہے۔ (۱) جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا ہے ربٰوا کی تحریم کا تدریجی سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند دن قبل تک صحابہ رضؓ کا ربٰوا کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف جنگ کی شدید دھمکی دینی پڑے یہ صحابہ کرام رضؓ کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم ہے۔ اغلب ہے کہ اسی خطرے کے پیش نظر طبری، بیضاوی سیوطی، اور دوسری تمام متداول تفاسیر میں مکی سورۂ روم کی آیت میں لفظ "ربٰوا" کے معنی "ہدیہ" بتائے گئے ہیں۔ انہیں روایات میں حلال ربٰوا کی ایک قسم ایجاد کی گئی ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت اس حلال ربٰوا کے بارے میں ہے (تفسیر طبری، مطبوعۂ مصر، ۱۳۳۰ھ، ج ۲۱، ص ۲۹ تا ۳۱۔ الدر المنثور للسیوطی، مطبوعۂ طہران، ۱۳۷۷ھ ج ۵، ص ۱۵۶۔ تفسیر البیضاوی، مطبوعۂ استانبول ۱۳۱۶ھ، ج ۲ ص ۲۴۷) ان روایات کی تائید صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں امام بخاری رح کی اپنی اس

جتنی صاف اور واضح ہے ڈاکٹر صاحب نے اتنی ہی پراگندہ ذہنی کا ثبوت دیا ہے۔ سب سے پہلے تو آپ نے اپنے استادوں کی سی استادی کا مظاہرہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ "اس روایت کی رو سے نہ صرف حضرت عائشہ رضؓ نے اس کے آخری تنزیل ہونے سے سکوت کیا ہے" قربان جائیے! اس "سکوت کیا ہے" کے فقرے کا جواب نہیں۔ گویا کہ حضرت عائشہ رضؓ بڑے ہی بامعنی انداز میں اپنی زبانِ خاموش سے وہ بات زمانۂ تنزیل کے متعلق کہہ گزریں جو حضرات ابن عباس رضؓ و عمر رضؓ کے مرتبۂ علم و آگہی سے بہت بلند تھی اور اس طرح آپ نے محض ایک چپ کے ذریعہ لاکھ غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرکے ڈاکٹر صاحب کو وہ نکتہ فراہم کر دیا جس نے واقعات کو مسخ ہونے سے بچا لیا اور تحقیق کی تاریخ کو بالآخر ۱۳۸۳ھ میں جا کر صحیح رخ پر ڈال دیا۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

سکوت کرنا حدیث پر گفتگو کرتے وقت ایک ایسے دانستہ عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی مثبت یا منفی رجحان کی طرف دلالت کرتا ہو۔ اور اس مقام پر ہمارے ڈاکٹر صاحب نے جو سکوت بھانپا ہے یہ ان کی ذہنی اختراع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ امام بخاری اس روایت کو ایک جگہ نہیں بلکہ تین ابواب میں لائے ہیں لیکن متن اور مفہوم کے پیش نظر اس کو ربٰوا کے باب میں سرے سے شامل ہی نہیں کیا بلکہ کتاب الصلوٰۃ

تفسیر سے ہوتی ہے :۔

فلا یربوا عند اللہ من اعطی عطیۃ یبتغی افضل منہ فلا اجر لہ فیھا۔ (تفسیر سورۃ الروم)

یعنی "فلا یربوا عند اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو عطیہ دے اور بدلے میں اس سے بہتر عطیہ کی خواہش رکھتا ہو تو اسے اللہ کے یہاں اس کا اجر نہیں ملے گا۔" ہم بہ ادب عرض کرینگے کہ قرآن کی ان بنیادی اصطلاحات میں اس طرح کی تاویلات اور ربوا میں ربوا الحلال اور ربوا الحرام کی تفریق کو راہ دینا ہمیں قبول نہیں۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ملکے کی تاجرانہ اور زرپرستانہ معاشرت کی اصلاح کے پیش نظر ربوا کی مذمت نہ کرنا ہمارے خیال میں قرآن کی حکمت بالغہ کے منافی ہوتا۔

(۲) یہ بات بھی آسانی سے تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ ربوا جیسا ادارہ جس پر قرآن حکیم میں اتنے پہلے سے نکتہ چینی شروع ہو چکی تھی اور آخر تک پہنچتے ہوئے وہ شدت اختیار کر چکی تھی جس کی کوئی نظیر قرآن میں موجود نہیں اس کی وضاحت وقت کی تنگی کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کما حقہ نہ ہو سکی ہو۔ اس سے قرآن حکیم کے اس

کتاب التفسیر اور کتاب البیع (باب حرمت خمر) میں شامل کیا ہے۔ کیونکہ خود ان کے نزدیک بھی یہ روایت ربا کے مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالتی۔ اور یہ روایت نہ صرف یہ کہ آیت زیر بحث کے الفاظ سے ایک بڑی غلط فہمی دور کرتی ہے بلکہ ایک اصول بھی متعین کرتی ہے۔ غور فرمایئے اس روایت سے مندرجہ ذیل نتیجہ نکلتا ہے۔

جب ربوا کی آیت نازل ہوئی تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا :۔

"مسلمانو! اللہ نے تمہارے لئے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوا کو حرام۔ پس جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو ہو چکا سو ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔ اور اگر کسی نے پھر وہی حرکت کی تو وہ دوزخی ہیں۔ اور وہاں ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور کافر اور گناہگار کو پسند نہیں کرتے...... یاد رکھو تمہارے لئے بیع حلال قرار دی گئی ہے لیکن شراب کی خرید و فروخت نہیں وہ بہر حال حرام ہے ...."[۵۵]

غور فرمایئے آیات الٰہی میں ربا کی حرمت کے ساتھ بیع کی حلت کا بھی حکم دیا گیا ہے لیکن شارع علیہ السلام کے پیش نظر ربا کی حرمت کی طرح بیع کی حلت علی الاطلاق نہیں ہے اس لئے آپ نے اس کی

دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ (المائدۃ، ۵: ۳)
یعنی "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں"۔ حضرت عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی۔ (الاتقان محولہ بالا، ج ۱، ص ۲۳ و صحیح مسلم، کتاب التفسیر) اور اگر آیت ربوا آخری تنزیل ہے تو بہر حال یہ آیت ان سے پہلے ہی نازل ہوئی ہوگی۔ اسی اشکال کے پیش نظر حضرت سدی رح اور ان کے علاوہ مفسرین کی ایک جماعت نے تصریح کر دی ہے کہ اس آیت الیوم اکملت لکم کے نزول کے بعد حلت و حرمت کی کوئی آیت نہیں اتری۔ "لم ینزل بعدھا حلال ولا حرام"۔ (الاتقان، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۵) امام طبری رح نے اس کی تاویل کی یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے متمکن ہونے اور وہاں سے مشرکوں کے نکالے جانے کی تکمیل ہو گئی تھی! متن درج ذیل ہے:۔

(الاولی الاقوال فی ذلک بالصواب ان یقال: ان اللہ عزوجل اخبر نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم والمومنین بہ انہ اکمل لھم دینھم باقرارھم بالبلد الحرام واجلاء المشرکین عنہ، الخ.
تفسیر الطبری، مطبوعۂ دارالمعارف مصر،

حرمت میں کوئی استثنا نہیں رکھا گیا لیکن بیع کی حلت کو خمر کے لئے ساقط فرمایا گیا۔ گویا آپ نے یہ فرمایا کہ ربا تمہارے لئے علی الاطلاق حرام ہے لیکن بیع علی الاطلاق حلال نہیں۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ مائدہ کی شراب کی حرمت کے بعد لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دیا تھا لیکن اس کی خرید و فروخت جاری تھی۔ شارع علیہ السلام نے جب بیع کی شرعی حلت کا اعلان کیا تو اس کی بیع کو مستثنےٰ قرار دیا تاکہ بعد والے دور میں ایسے دین فروش حیلہ جو محقق نہ پیدا ہو جائیں جو حلتِ بیع کی آیت کا سہارا لے کر شراب خانے جاری کریں اور طبی مصرف کا حیلہ تراش کر لوگوں کے لئے معصیت کے دروازے کھول دیں۔ یہ روایت تو دراصل ایسی ہے جس کے بعد عقل سلیم کو سود کے علی الاطلاق حرام ہونے میں شبہ نہیں کرنا چاہئے لیکن افسوس

خوئے بد را بہانہ بسیار

اس سلسلے میں بخاری کے ایک اور شارح الکرمانی قاضی عیاض کی مندرجہ ذیل رائے پیش کرتے ہیں:۔
ثم حرم بیع الخمر۔ حضور نے خمر کی بیع حرام فرما دی یعنی اس کی بیع و شرا اور اس کا اصل سبب اس کا نجس ہونا ہے۔ قاضی عیاض کے بقول تحریم خمر کا حکم سورۂ مائدہ میں نازل ہوا ہے اور آیت ربوا سے ایک طویل مدت قبل نازل ہو چکا تھا۔ لہٰذا احتمال

ج ۹ ، ص ۵۲۰) اس تفسیر سے ختم نبوت پر روشن دلیل والی اس آیت کی جو صورت بنتی ہے وہ ہمارے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں۔ اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور ہو جانے والی، لیکن درحقیقت غلط، حدیث کی تقلید کی زد دین کے کیسے کیسے بنیادی اصولوں پر پڑتی ہے۔

(۳) اثر زیر نظر پر ایک اور شدید اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیات ۱۶۰ و ۱۶۱ میں یہ ہے کہ یہ بیع و شرا کی ممانعت اس کی (شراب کی) ممانعت کے بعد کی ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور نے حرمت خمر کے وقت اس کی تجارت کے لئے بھی بیان فرما دیا ہو اور پھر ربا کی آیت کے نزول کے وقت اس کی اشاعت کے لئے مکرر تاکید و مبالغہ کے لئے بیان فرمایا ہو کیونکہ شاید اس بیان کے وقت (مجلس میں) ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے جن کو شراب کی تجارت کی بھی حرمت کا علم اس سے پہلے ہوا نہ ہوگا۔" (ج ۴ صفحہ ۱۲۰)[۶]

---

[۶] کرمانی کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے:۔

قوله تجارة الخمر اى بيعها وشراؤها والعلة فيه عند الشافعي نجاستها قال القاضي عياض تحريم الخمر في سورة المائدة وهي نزلت قبل آية الربا بمدة طويلة فيحتمل أن يكون هذا النهي متأخرا عن تحريمها ويحتمل أنه أخبر بتحريم التجارة حين حرمت الخمر ثم أخبر به مرة اخرى بعد نزول آية الربا توكيدا ومبالغة في اشاعته ولعله حضر المجلس من لم يكن بلغه تحريم التجارة فيها قبل ذلك

البخاری بشرح الکرمانی، مصر ۱۳۵۲ھ ج ۴ ص ۱۱۹

رہا اُن کا (یعنی بخاری رح کا) قول 'تجارۃ الخمر' تو اسکے معنی ہیں شراب کی خرید و فروخت اور امام شافعی رح کے نزدیک اسکے حرام ہونے کی وجہ اسکا نجس ہونا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ خمر کی حرمت سورہ مائدہ میں آئی ہے اور یہ ربا کی آیت سے طویل مدت قبل نازل ہوئی تھی۔ تو احتمال یہ ہو کہ یہ ممانعت (شراب کی خرید و فروخت کی) اسکی حرمت بعد ہوئی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ خمر کی تجارت کی حرمت کی خبر رسول اکرم ؐ نے اسی وقت دی ہو جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا لیکن ربا کی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے دوبارہ اس کو دہرایا تاکہ اسکی تاکید ہو جائے اور اسکی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید اُس مجلس میں ایسے لوگ موجود ہوں جن تک اس سے قبل خمر کی تجارت کا حکم نہ پہنچا ہو۔

عجمی صاحب کو ترجمہ میں تصرف و تحریف کی جو مہارت حاصل ہے، اس کی مثالیں پچھلی قسط میں اور موجودہ اشاعت میں قارئین کرام کی نظر سے گزر چکی ہوں گی۔ لیکن ہر قاعدہ کلیہ کے لئے استثناء ہے، اور یہاں جو ترجمہ انہوں نے کیا ہے اسے ان ہی مستثنیات میں شمار کرنا چاہئے۔ لیکن انسان کی عادت مشکل ہی سے (باقی اگلے صفحہ پر)

ارشاد ہے کہ:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم احلت لھم
وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرا واخذھم الربوا
وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل
واعتدنا للکفرین منھم عذابا الیما۔

یعنی "ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے ربوا لیتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے اور ان میں جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار

ڈاکٹر صاحب کو جو بھیانک قسم کا معارضہ نظر آیا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بعض راویوں کے نزدیک آیاتِ ربوا کا زمانۂ نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ساعت پہلے کا ہے۔ بعض کے نزدیک نو دن پہلے کا بعض کے نزدیک ۲۱ یا حد سے حد ۸۱ دن پہلے کا۔ اس طرح یہ اختلاف روایات صرف اشارہ جاتا ہے کہ یہ تنزیل وفات سے چند ساعت پہلے کی ہے یا ۸۱ دن پہلے کی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی زور آزمائی سے اس ۸۱ دن کو کھینچ تان کر چھ سال پیچھے کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون؎

آپ نے الاتقان کا ذکر فرما کر یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اس کی رو سے اس "معارضے" کا اور بھی فراخ دروازہ کھل جاتا

چھوٹتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا عبارت کے شروع کے جملوں میں عجمی صاحب تصرف کئے بغیر نہ رہے، حالانکہ اس سے انہیں ڈاکٹر صاحب کو گالیاں دینے میں مطلق مدد نہیں ملتی تھی۔

رہی قاضی عیاض صاحب الشفا کے احتمالات کی فہرست، تو اس کا کوئی کیا کرے جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (یونس آیت ۳۶) (بیشک گمان امرِ حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کرتا) قاضی صاحب نے ایک نہ دو بلکہ تین احتمالات کا ذکر کر کے اپنی تاویلات کو محض امر ظنی ہونے کی تاکید بلکہ تاکید مزید کر دی ہے۔ اس کے مقابلے میں تاریخی حقائق ہیں جن کی تفصیل مندرجہ بالا مقالہ میں درج ہے۔

؎ چھ سال نہیں بلکہ دس سال۔ علامہ ابن حجر رح کے قول کے مطابق جسے خود عجمی صاحب نے بالتحریف والتصرف نقل کیا ہے، ربوا کی حرمت ۳ہجری میں ہوئی تھی اور حضرت عمر رض کی طرف منسوب کردہ اثر اور ان روایات کی رو سے جن کے معارضے کا بھی آپ نے خود اعتراف فرمایا ہے، آیاتِ ربوا کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ساعت پہلے سے لیکر ۸۱ دن پہلے تک ہوا، اس لئے ربوا کی حرمت کے احکام واضح نہ ہو سکے۔

کر لکھا ہے "ظاہر ہے کہ یہودیوں کو یہ الزام دینا اسی وقت ممکن اور درست ہو سکتا تھا جب کہ خود مسلم معاشرے سے ربوا کا کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہوتا۔ ورنہ یہود یقیناً مسلمانوں کو الزام دیتے کہ تم تو خود وہی کرتے ہو جس کا ہمیں طعنہ دیتے ہو۔ ساتھ ہی یہ تاریخی واقعہ مسلّم ہے کہ بنو قریظہ جو مدینہ کے قبائل یہود میں سے آخری بچا ہوا قبیلہ تھا اس کا مدینہ سے اخراج ۵ھ میں غزوۂ خندق کے فوراً بعد عمل میں آچکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد قرآن حکیم کا یہود سے معارضہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہود پر یہ الزام ۵ھ کے اختتام سے پہلے ہی ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے لئے ربوا کی ممانعت کا حکم ۵ھ سے قبل ہی آچکا ہوگا (۲) جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، سورۂ آل عمران "لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ" تحریم ربوا کے سلسلہ کی آیات کی بنیادی کڑی ہے، سورۂ روم کی آیات اس کی تمہید تھیں اور سورۂ بقرہ کی آیات اس کا تتمہ اور تکملہ۔ اس آیت کے نزول کے

ہے" اللہ اکبر! ہو سکتا ہے ان روایات سے یہ آیات قبل نبوت کے زمانہ کی تنزیل معلوم ہوتی ہوں!! غنیمت ہے کہ انھوں نے صرف اشارے ہی اشارے میں تنبیہ کر دی ورنہ اگر خدانخواستہ وہ اسی طرح دو چار عبارتوں کے ہاتھ پیر توڑ کر یہاں پیش فرما دیتے تو ہماری بڑی کرکری ہوتی۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اتنی بڑی مہربانی ہے کہ ہم تو ہم شاید اللہ تعالیٰ بھی نہ بھولے گا۔ ؎

پھر فرماتے ہیں:۔

"روایات کے اس شدید معارضے کے علاوہ اور بھی کئی وجہیں ایسی ہیں جن سے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب اثر کو رد کرنا ضروری ہے۔ (۱) جیسا کہ اوپر ہم نے واضح کیا ہے۔ ربا کی تحریم کا تدریجی سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند دن قبل تک صحابہ کا ربوا کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف جنگ کی دھمکی دینا پڑے، یہ صحابہ کرام کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم ہے"۔ (ص۶۲) اللہ اللہ عشق صحابہ کا یہ عالم۔ کہاں ہیں وہ ظالم جو صحابہ

؎ جو شخص احادیث و تفاسیر کے ترجموں میں تحریف پر دلیر ہو اس سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ سے استخفاف و استہزا میں چوکے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ حضرت مولانا انور شاہ رح کی روایات کی علمبرداری کے مدعی کارکنانِ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی کو کیا ہوا کہ انہوں نے اس اہتمام سے ایسی تحریر اپنے رسالہ میں شائع کی سچ یہ ہے کہ تحزب اور تعصب انسان سے بڑی بھیانک غلطیاں سرزد کراتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

بارے میں قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ غزوۂ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کی آیات میں مسلسل غزوۂ احد کی شکست، اس کے نتائج، اس کے اسباب اور دوبارہ ایسے افسوسناک واقعہ کے نہ ہونے کی تدابیر کا ذکر ہے۔ غزوۂ احد کی شکست کا بنیادی سبب کچھ مسلمانوں کا مال کی محبت میں لوٹ مار پر متوجہ ہوجانا تھا۔ غالباً اسی لئے ربٰوا کی حرمت کا اعلان کیا گیا تاکہ مال کی محبت کی بنیاد یعنی ربوی نظام معیشت کی بیخ کنی ہوجائے۔ ہم نے اوپر جن روایات اور تاریخی شہادتوں کا ذکر کیا ہے، ان سے ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔

اوپر کی تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلا کہ ربٰوا کی مذمت کی پہلی آیت مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں، رومیوں کی شکست کے واقعہ کے بعد، اس کی حرمت کا اعلان ہجرت کے تیسرے سال، غزوۂ احد کے بعد اور آخری تہدیدی آیتیں بنو قریظہ اور رسول کے ایسے سچے جانثار پر حدیث کے انکار کا الزام لگاتے ہیں، ناموس رسول کا دشمن قرار دیتے ہیں ذرا ادھر آئیں اور دیکھیں ارادت و عقیدت کے اس پیکر کو۔ اللھم طھر قلوبنا من النفاق واعمالنا من الریاء۔

ہم اس عاشق صحابہ سے پوچھیں گے کہ اگر اس آیت کا نزول ۸ھ مان لیا جائے تو مکی زندگی کے ابتدائی دور سے ۸ھ تک صحابہ کا "ربٰوا کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف" ۵ھ میں جنگ کی دھمکی دینی پڑے، کیا یہ صحابہ کرام کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم نہیں ہے؟ آخر اس میں بھی ۹، ۱۰ سال کا طویل وقفہ پایا جاتا ہے۔[9]

جب خدا کا خوف اور رسول کا احترام دل سے نکل جاتا ہے تو پھر انسان کی سلامت فکر ختم ہوجاتی ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا۔ افسوس کہ اس عقل کل نے یہ نہ سوچا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جس عاشق کی عقیدت کا ڈھونگ رچایا ہے۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۹ھ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں "ربا کی تحریم کا "تدریجی سلسلہ" شروع ہوا تھا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب "ربٰوا اور قرآن" کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔ مکی زندگی کی سورت الروم میں اس کی مذمت نازل ہوئی تھی حرمت نہیں۔ حرمت کا حکم ۳ ہجری میں غزوۂ احد کے موقع پر نازل ہوا اس کے بعد صحابہ کی طرف ربٰوا کے کاروبار کو منسوب کرنا یقیناً ان کی پاک سیرتوں پر بہتان ہے۔ احادیث کے ذخیرے میں اس کے خلاف جو باتیں ملتی ہیں ان کا رد کرنا بدرجہا اولیٰ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ صحابہ کرام کی اہانت کا ارتکاب کیا جائے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

دیگر قبائل یہود کے جلا وطن کئے جانے سے قبل، یعنی ۵ ہجری سے پہلے، نازل ہوئیں۔

ہمارے زمانۂ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملے میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے رسالہ "سود" طبع سوم (۱۹۵۴ء) کے حصہ اول میں "حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن" (ص ۱۶۲ تا ۱۶۹) کے عنوان کے تحت تفصیلاً یہ بتاتے ہیں کہ ربوا کی مذمت مکہ معظمہ کی تنزیل میں آچکی تھی اور "احد سے واپس مدینہ پہنچتے ہی" سورۂ آل عمران کی حرمت ربوا کی آیات نازل ہوئیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۶) لیکن حیرت ہے کہ شد و مد سے حکمت قرآنی کی یہ تشریح کرنے کے ساتھ ہی وہ حضرت عمر رض کی طرف منسوب اثر کو بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ (طبع سوم ۱۹۵۴ء ص ۵۱ اور طبع جدید، جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۶۰) اور ان دونوں امور میں شدید تضاد کو محسوس نہیں کرتے۔ شاید مودودی صاحب کے منطقی ذہن نے متعدد سال گزر جانے کے بعد (اس کا مضمون محولہ بالا، ابتداءً ترجمان بماہت اگست ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا) اس تضاد کو محسوس کیا اور ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ قیاس کریں گے کہ اسی تضاد کے پیش نظر انہوں نے اپنے "رسالہ" کے تازہ ترین ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۶۱ء میں اس پورے مضمون کو خارج کر دیا اور حضرت عمر رض کی طرف منسوب قول کو اپنی تائید میں

کی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اگر اس دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر اتہام وارد ہوتا ہے۔

آخر اسے کون نہیں جانتا کہ مہمات امور کے بارے میں تمام احکام بڑی ہی حکیمانہ تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، آج مجرد نیکوکاری اور پاک کرداری پر زور دیا گیا چند سال بعد عصمت نگاہ پر پھر فواحش کی برائی بیان کی گئی اور اس کے چند سال بعد زنا سے روکا گیا حتیٰ کہ ایک دن اسے تعزیری جرم قرار دیدیا گیا۔ پہلے جان اور مال کی آبرو پر زور دیا، اکل حلال کی ہمت افزائی کی، کسب حرام سے نفرت پیدا کی گئی، دوسروں کا حق مارنے کی مذمت کی گئی، آخر میں چوری کو تعزیری جرم قرار دیا عرصے پہلے شراب کے نقصان پر زور دیا گیا پھر چند سال بعد نماز کے وقت نشہ کرنے سے روکا گیا پھر آخر میں تحریم خمر کا حکم نازل ہوا۔ لیکن ان تمام تدریجی مراحل کے دوران ایک زمانے کا زمانہ ملتا ہے۔ ایسا کہیں نظر نہیں آتا کہ ابھی ایک حکم سے مسلمان واقف نہیں ہوئے کہ سال بھر کے اندر دوسرا اور پھر تابڑ توڑ تیسرا اور چوتھا دوسرے مرحلے کی آیۃ لاتاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفا کا زمانہ تنزیل جو بھی ہو بہرحال کوئی صاحب نظر اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ سود کو حرام قرار دینے کے ایک ہی سال کے اندر اندر اچانک اتنا شدید حکم نازل ہو جائے جس کی خلاف ورزی اللہ اور اس کے

رہنے دیا۔ لیکن ہم مودودی صاحب سے یہ توقع رکھنے میں شاید حق بجانب ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہوں گے کہ قرآن حکیم کی آیات کی تنزیل کی تاریخی ترتیب اور ان کے شان نزول کا مسئلہ اتنا غیر اہم نہیں کہ اس کے بارے میں سلف کے مفسرین کی رائے کے برخلاف ایک دعویٰ پیش کرنے کے بعد چپ چپاتے اس سے رجوع کر لیا جائے۔

ہم نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب مشہور روایت کی تردید میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری روایتیں ربوا القرآن کی حقیقت کو پہچاننے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ اور انہیں کی بنیاد پر ربوا کے سلسلہ کی دوسری اور روایات کی عمارت استوار ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ کسی ابتدائی مرحلے پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ربوا کے بارے میں قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مندرجہ بالا آثار شاید اسی جذبے کے ابتدائی مظاہر ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان آثار کی طرح ربوا کے سلسلے کی فقہی حدیثوں میں بھی شدید معارضہ ہے۔

(باقی آئندہ)

رسول سے جنگ قرار پائے آخر کون نہیں جانتا کہ اس زمانے میں وائرلیس اور ریڈیو نہیں تھا تیز رفتار گاڑیاں بھی نہیں تھیں، آمد و رفت اور رسل و رسائل کا معقول انتظام بھی نہیں تھا، قبیلے کے قبیلے غیر مسلم تھے اور نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلمانوں کے دشمن اور مزاحم بھی تھے اور جگہ جگہ ان دشمنوں کے بیچ میں مسلمان گھرے ہوئے تھے۔ پھر سال کے مختلف مہینوں میں مختلف قبیلے گھر بار چھوڑ کر میلوں اور تجارتی قافلوں میں رواں دواں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ خود مدینہ کے مسلمان اور جید صحابہ بھی مہینوں تک حضور کی صحبت سے محروم رہتے تھے۔ ان حالات میں یہ انتہائی ضروری تھا کہ خدا اور رسول سے جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے آل عمران کی حرمت کا حکم ایک ایک مسلمان کے پاس پہنچ جانے دیا جائے اور اتنا موقع دیا جائے کہ وہ اپنے لین دین، اپنی تجارت اور اپنے قرض ہی نہیں بلکہ ان تمام معاملات سے واقف ہو جائیں جو ربا کی زد میں آتے ہیں چاہے وہ ربائے جلی ہوں یا ربائے خفی۔ اس قسم کے معاملات شارع نے تحریم سود کے ساتھ ہی نہیں واضح فرمائے بلکہ وقت اور موقع کے لحاظ سے ایک ایک معاملہ کو چن چن کر حرام قرار دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ معاملات آپ سے وقتاً فوقتاً پوچھے گئے اور کچھ آپ نے خود اپنی طرف سے واضح فرمائے۔ اور اس طرح جب مکمل معاشی نظام کا ایک نقشہ تیار ہو گیا اور بچہ بچہ اس سے واقف ہو گیا اپنے کاروبار سے ہر قسم کے سود کو خارج کرنے کے لئے ذہنی اور عملی طور سے اپنے آپ کو تیار کر لیا تو پھر سود کو تعزیری جرم قرار دیدیا گیا۔ اور تعزیری بھی کیسا کہ قرآن نے خدا رسول سے جنگ کے لئے للکار سنائی، حضرت عمرؓ نے

سود خواروں کو جلاوطن کیا، امام مالک رحمۃ نے گردن مارنے کی سزا تجویز کی۔ ایک ایسے عمل کو حرام قرار دینا جو عرب کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا کیا اتنا غیر سنجیدہ کام تھا جس کو اخلاقی جرم سے تعزیری جرم بنانے کے لئے صرف سال چھ ماہ کی مدت کافی ہو جائے۔ اور خاص طور سے اس وقت جبکہ مسلم سوسائٹی ابھی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں ہو۔ ابھی مسلمان سیاسی اور فوجی اعتبار سے کمزور ہوں ابھی بین الاقوامی تعلقات میں استحکام نہ حاصل ہوا ہو ابھی وہی قبیلے جن سے مسلمانوں کا لین دین ہے مسلمان نہ ہوئے ہوں۔ آخر عقل کس طرح باور کر سکتی ہے کہ سود لینا سنہ ۹ھ میں حرام قرار دیتے ہی سنہ ۵ھ میں ایک دم دست اندازی حکومت جرم بن جائے۔ اللہ تعالیٰ تو سمیع و علیم ہے اور شارع علیہ السلام کی حکمت بالغہ بھی ہمارے فہم و فکر سے بہت بلند ہے، اس دور کے ٹٹ پونجیے مصلح بھی اگر کہیں سود اٹھانا چاہیں گے اور وہ بھی اس سوسائٹی سے جس میں آج تک سود کو حرام سمجھا جاتا ہے تو شاید اس اصلاح میں برسہا برس لگائیں گے۔

لیکن واہ رے ڈاکٹر صاحب! زمانہ تنزیل سے انکار کرنے کے لئے آپ بھی ایسی جذباتی دلیل لائے کہ ایک عقیدتمند قاری پکار اٹھے کہ حاشا و کلا بھلا صحابہ کرام رضؓ پر یہ اتہام اور ان سے یہ بدگمانی ہاں بھئی بات ڈاکٹر صاحب کی ہی سچ معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں "اگر مان لیا جائے کہ یہ آیت آخری دور میں نازل ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت تک صحابہ کرام رضؓ سود خواری میں مبتلا تھے اور نعوذ باللہ ایک ایسا جرم کرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کو انھیں الٹی میٹم دینا پڑا" استغفر اللہ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی جرم کو حرام قرار دینے یا تعزیری بنا دینے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ بس صحابہ کرام اس میں مبتلا پائے گئے اس لئے یہ حکم سختی سے وارد ہوا۔ اس طرح تو پھر زانی کو سنگسار کرنے کی سزا کے حکم سے آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ خاکم بدہن ...... آخر کیا اوامر و نواہی، زجر و توبیخ، ترغیب و ترہیب سارے کے سارے صحابہ کرام ہی کے لئے تھے قرآن کے پانچسو احکام اور احادیث کے سارے خزانے صحابہ کرام ہی کے لئے وارد ہوئے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں" اثر زیر نظر پر ایک شدید اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ سورہ النساء کی آیات ۱۶۰ - ۱۶۱ میں ارشاد ہے کہ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا ..... الخ (یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے ربا لیتے تھے اور

اس سبب ....) ظاہر ہے کہ یہودیوں کو یہ الزام دینا اسی وقت ممکن اور درست ہو سکتا تھا جبکہ خود مسلم معاشرے سے ربا کا کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہوتا ورنہ یہود یقیناً مسلمانوں کو الزام دیتے کہ تم خود ہی کرتے ہو جس کا ہمیں طعنہ دیتے ہو" ...... اس لئے یہود پر الزام ۵ھ کے اختتام سے پہلے ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ ربوا کی ممانعت کا حکم ۵ھ سے پہلے ہی آچکا تھا۔

آخر اس سے کون کافر اختلاف کرتا ہے کہ ربا کی حرمت کا حکم ۵ھ سے پہلے نہیں آیا تھا۔ تمام تر مفسر اس سے متفق ہیں کہ آیت، لاتاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفۃ ۵ھ یا پہلے نازل ہوئی تھی۔[۱] البتہ اس میں اگر شوشہ چھوڑا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے نہ معلوم وہ اسے حرمتِ سود کی آیت کیوں نہیں سمجھتے۔ ہمیں تو اس ساری بحث کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کے دل کا چور چھپا نظر آرہا ہے یہاں دراصل غیر شعوری طور سے وہ آخری آیات (سورہ بقرہ) کو احکام سود کی اہم ترین کڑی سمجھ چکے ہیں اور اس کے بغیر سود کی حرمت کی تعبیر میں الہام کا احساس ہو چکا ہے لیکن" دروغ گو را حافظہ نہ باشد" چند صفحہ پیچھے ہی آپ سورۂ بقرہ کی آیات کو تتمہ قرار دیکر خارج از بحث کر چکے ہیں۔ اور اصلی زور آل عمران کی آیت پر صرف کرتے رہے ہیں کیا اس کے باوجود ان کے نزدیک ۵ھ تک سود کی حرمت نہیں نازل ہوئی۔[۲]

رہا یہ امر کہ صاحب اگر آخری حرمت آخری دور میں نازل ہوئی تو یہودی ایسا اور ایسا کہتے۔ کیا وہ علی رؤس الاشہاد یہ نہیں دیکھتے تھے کہ ہر روز نئے نئے آدمی اور قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہوتے جارہے ہیں اور یہ سلسلہ کسی دور میں بند نہیں ہوا ہے۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض قریبی

---

[۱] اگر عجمی صاحب ان "تمام تر مفسروں" میں سے چند کے نام گنوا دیتے اور ان کی متعلقہ آیات کی تفسیروں کے ترجمے اپنے مخصوص طرز تصرف کے ساتھ ہی نقل کر دیتے۔ تو ان کی عین عنایت ہوتی کیونکہ اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا کہ یہ گمان کہ "ربوا کی حرمت کا حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے ذرا قبل نازل ہوا تھا اس لئے قرآن حکیم میں اس بنیادی معاشی و معاشرتی حکم کی تفصیل درج نہ ہو سکی۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان فیض ترجمان سے اس مسئلہ کی وضاحت فرما سکے"۔ ان تمام مفسرین کی رائے کے خلاف ہے۔

[۲] ڈاکٹر صاحب نے یہ کب اور کہاں کہا کہ "۵ھ تک ربوا کی حرمت نہیں نازل ہوئی"۔ وہ تو عام قیاس کے برخلاف تاریخی حقائق سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ربوا کی حرمت مدنی زندگی کے اوائل ہی میں نازل ہو گئی تھی۔ عجمی صاحب آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟

رشتہ دار (حضرت عباس) تک اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور ہر شخص حضور ؐ پر ایمان لاتے ہی پہلے ہی دن مسلم حنیف نہیں بن جاتا تھا۔ اس وقت کے یہودیوں کا اس پر اعتراض نہ کرنے میں ان کی واقعیت پسندی کو دخل ہے۔ ریسرچ کی یہودی ٹکنک کو نہیں پھر یہودیوں کا اعتراض نہ کرنا کیا اس کا بین ثبوت نہیں ہے کہ انھوں نے مسلم سوسائٹی کو علی العموم سود سے کنارہ کش اور صدقات پر عامل پایا۔ اور اگر اس کے بعد بھی کہیں سود کے تعامل کی مثالیں نظر آتی ہیں تو ان افراد یا قبیلوں میں جو آخر میں مسلمان ہوئے تھے اور جن تک حرمت کے احکام نہیں پہنچے تھے۔ ہزارہا رحمتیں ہوں اسلاف پر جنہوں نے حدیثِ نبوی ؐ کے موتی چننے میں زندگیاں لٹائیں اور ہمیں مالا مال کر گئے۔

مندرجہ بالا بحث سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے سود کے سلسلے میں جو نقطۂ نظر اپنایا ہے وہ کس قدر عامیانہ ہے اور کتنی علمی بددیانتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیات کے زمانۂ تنزیل پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچتے ہیں:۔

"اوپر کی تنقیحات سے یہ نتیجہ نکلا کہ ربوا کی مذمت کی پہلی آیت مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں رومیوں کی شکست کے واقعہ کے بعد، اس کی خدمت کا اعلان ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد کے بعد اور آخری تہدیدی آیتیں بنو قریظہ اور دیگر قبائل یہود کے جلاوطن کئے جانے سے قبل یعنی ۵ھ سے پہلے نازل ہوئیں" (ص ۶۵)

آخری اور تہدیدی آیتوں کا نزول ۵ھ سے پہلے ہونا دراصل وہ بنیادی مفروضہ ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے استدلال کے پائے چوبیں کو قائم کیا ہے اگر وہ اس دعوے پر اڑے نہ رہیں تو ان کی ساری بقراطی خاک میں مل کر رہ جائے۔ لیکن کیا یہ دعوے قابل اعتنا ہے کیا صدر اول اور ما بعد کے مفسرین اور علمائے جمہور اس کی تائید کرتے ہیں؟ کیا موجودہ اہل علم اس سے متفق ہیں؟ یہ سوالات ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے مستند علما کی طرف ذہن لامحالہ منتقل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس کا پورا احساس ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے مولانا مودودی کی عبارتوں کو پیش کیا ہے چنانچہ اپنے دعوے کے فوراً بعد آپ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے زمانہ حال کے اہلِ قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملہ میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں وہ اپنے رسالہ سود ......" ص ۶۵

یہ جملہ پڑھ کر قاری یقیناً اس تاثر میں مبتلا ہوگا کہ مودودی صاحب واقعتہً ڈاکٹر صاحب کے اس دعوے کی تائید کر رہے ہیں کہ ربوا کی آخری آیت ۵ھ سے پہلے نازل ہوئیں تو یقیناً ڈاکٹر صاحب نے بھی درست ہی کہا ہوگا لیکن پہلے موصوف

کا جملہ پورا پڑھ لیجئے، فرماتے ہیں :-

"ہمارے زمانہ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملے میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں وہ اپنے رسالہ سود، طبع سوم (۱۹۵۴ء) کے حصہ اول میں حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن" (ص ۱۶۲ تا ۱۶۹) کے عنوان کے تحت تفصیلاً یہ بتاتے ہیں کہ ربوا کی مذمت مکہ معظمہ کی تنزیل میں آچکی تھی اور احد سے واپس مدینہ پہنچتے ہی سورۂ آل عمران کی حرمت ربوا کی آیات نازل ہوئیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۶) لیکن حیرت ہے کہ شدومد سے حکمت قرآنی کی یہ تشریح کرنے کے ساتھ ہی وہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب اثر کو بھی اپنی تائید میں کرتے ہیں (طبع سوم ۱۹۵۴ء ص ۵۱، اور جدید جنوری ۱۹۶۱ء ص ۱۶۰) اور ان دونوں امور میں شدید تضاد کو محسوس نہیں کرتے ۔"

ذرا محولہ بالا سطور کو ملاحظہ فرمائیں آخر کیا ان سطور سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک بھی آخری آیات ۵ھ کے پہلے نازل ہوئیں[۱۲]؟ ہرگز نہیں! لیکن آنکھوں میں دھول جھونکنا ہی تو آپ کی وہ خوبی ہے۔ جس پر آپ کے مستشرق اساتذہ نے آپ کو سند دی ہے۔

یہ ساری واویلا جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے بحث سے صفحات میں مچا رکھی ہے محض اس لئے ہے کہ احادیث کے خلاف طرح طرح کے شبہات پیدا کئے جائیں آثار اور اخبار کے راویوں پر اعتقاد کو متزلزل کر دیا جائے جیسا کہ آپ ہی کے بقول :-

"ہم نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب مشہور روایت کی تردید میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں اور اسی قسم کی دوسری روایتیں ربوا القرآن کی حقیقت کو پہچاننے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں" (ص ۶۶)

---

۱۲ سوال پہلی اور آخری آیات کا ہرگز نہیں ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ ربا کی حرمت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کم از کم دس سال قبل غزوۂ احد کے موقعہ پر ۳ ہجری میں نازل ہوا تھا یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے، جیسا کہ مودودی صاحب بالتفصیل لکھ رہے ہیں اور جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ کے اس قول سے ثابت ہو رہا ہے جسے تحریف و تصرف کے ساتھ عجمی صاحب خود نقل کر چکے ہیں، تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ "ربا کی آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا لئے گئے اور اس کی تفسیر بیان نہ کر سکے"؟ سوال ربوا کی حرمت کی تنزیل کی صحیح تاریخ اور حضرت عمرؓ کی طرف غلط منسوب کردہ اثر کے تضاد کا ہے، جسے محسوس کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اپنا عالمانہ مضمون "حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن" اپنے رسالہ "سود" کی تازہ ترین اشاعت سے خارج کر دیا۔ لیکن عجمی صاحب مودودی صاحب کی حمایت میں خود ان سے (مودودی صاحب سے) سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

حالانکہ پچھلے ساڑھے تیرہ سو سال میں تمام مفسرین محدثین اور فقہا کی یہ رائے ہے کہ ربوا کے معاملہ میں اگر کوئی بات الجھن کی ہے تو وہ تبادلہ جنس بالجنس (ربا الفضل) ہے نہ کہ ربا القرآن، یا ربوا النقد یعنی رقم قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کاش میں حضور کے وصال سے پہلے کلالہ دادا کی وراثت اور ربا کے بارے میں دریافت کر لیتا (کما روی فی البخاری کتاب الاشربہ) دراصل اسی ربوا الفضل کی طرف اشارہ ہے ورنہ محدثین اور فقہا اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر رض کی نگاہ ربوا کے معاملہ میں دوسرے بہت سے صحابہ کے بمقابلہ وسیع تھی علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واما ابواب الربا فلعله يشير الى ربا الفضل لان ربا النسيه . متفق عليه بين الصحابه و سياق عمر يدل على انه كان عنده نص فى بعض من ابواب الربا دون بعض فلهذا تمنى معرفة البقيه

جہاں تک ابواب ربا کا معاملہ ہے تو شاید اس سے حضرت عمر رض کا اشارہ ربا الفضل کی طرف ہے کیونکہ ربا النسیہ (ربا النقد) صحابہ کے درمیان متفق علیہ ہے اور حضرت عمر رض کی پچھلی بات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس دوسروں کے مقابلہ میں ربا کے بعض ابواب کے لئے منصوص احکام تھے۔ البتہ کیونکہ چند مسائل کے نہیں تھے اسلئے آپ کو یہ تمنا رہی کہ اس کو حاصل کر سکتے ؎۱۳

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب ایک اور شاہکار پیش فرماتے ہیں :-

"ایسا نظر آتا ہے کہ کسی ابتدائی مرحلے پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ربا کے بارے میں قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے"

ان الفاظ میں گویا یہ جتایا جا رہا ہے کہ ابتدائی مرحلے میں ہی صحابہ کرام رض اور تابعین عظام رح قرآن کی عملی افادیت سے مایوس ہو چکے تھے اور (نعوذ باللہ) اس کو ایک جامع ہدایت نامہ سمجھنے کے بجائے ناقص اور نامکمل مجموعہ سمجھنے لگے تھے چنانچہ انھوں نے قرآن کی (استغفر اللہ ثم استغفر اللہ) اس کمی کو دور کرنے کے لئے دلیسی حدیثوں کو گھڑنا شروع کر دیا جو پہلے سے

؎۱۳ یہاں پھر معاملہ لیت و لعل کا ہے۔ علامہ ابن حجر رح اپنا ایک گمان پیش کر رہے ہیں (لعلّہ" "شاید ایسا ہو")۔ اور جیسا کہ ہم اوپر قرآن حکیم کا ارشاد نقل کر چکے ہیں۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ شارحین حدیث کی ظنی قیاس آرائیاں تاریخی حقائق کے مقابلے میں کیا معنی رکھتی ہیں؟ ان بزرگوں کا احترام واجب، لیکن اسی کا اقتضاء ہے کہ ان کے ظن و قیاس کو حقائق کے مقابلے میں رد کر دیا جائے۔ البتہ عجمی صاحب کے ترجمہ کی صحت قابل داد ہے۔

موجود نہیں تھیں اور ایسی ایسی روایات اختراع کر ڈالیں جن کے لئے کوئی عقلی دلیل نہیں تھی ـــ فقرہ "کسی ابتدائی مرحلے پر" ـــ ظاہر ہے صحابہ اور تابعین کی طرف اشارہ سمجھا جائے گا کیونکہ تمام کی تمام احادیث و روایات انہیں کے ذریعہ پہنچی ہیں اور فقرہ "سمجھ لیا گیا تھا" ـــ یہ نشاندہی کرتا ہے کہ امر واقعہ ایسا نہیں تھا بلکہ محض ان حضرات کا زعم باطل تھا اور ـــ "جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے" ـــ کے معنی یہ ہوئے کہ قرآنی خلاء کو پُر کرنے کے لئے مواد کہاں سے لایا جائے، چلو حدیثیں ہی گھڑ گھڑ کر اس کو پُر کر دو۔ ظاہر ہے، ان فقروں سے یا تو ڈاکٹر صاحب کا صرف یہی مفہوم ہے اور یا پھر ان کے اس عقیدے کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاملات میں جو کچھ وقتاً فوقتاً فرمایا تھا وہ قرآن کی توضیح اور تبیین کے لئے نہیں بلکہ خاکم بدہن تفنّنِ طبع کے لئے تھا۔ ورنہ قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی مطلق کوئی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ کرام نے یہ سمجھ کر سخت غلطی کی کہ قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے" حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے حضرات سے مروی آثار بھی بقول ڈاکٹر صاحب موصوف "اسی جذبہ کے ابتدائی مظہر ہیں" سبحان اللہ جب ابتدائی مظاہرہ اتنا حیران کن ہے تو انتہا پر پہنچتے پہنچتے کیا عالم ہوا ہوگا۔

"غالباً یہی وجہ ہے کہ ان آثار کی طرح ربا کے سلسلے کی فقہی حدیثوں میں بھی شدید معارضہ ہے"۔[۱۴]

(باقی آئندہ)

---

[۱۴] جو شخص تفسیر و حدیث کے اقتباسات میں تحریف و تصرف سے نہ چوکتا ہو وہ اگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی عبارت کو من مانے معنی پہنائے تو کیا تعجب ہے؟ اور یہاں تو صرف معنی پہنائے گئے ہیں، پہلی قسط میں تو ایک طویل عبارت واوین (INVERTD COMMAS) میں دیگر ڈاکٹر صاحب کی طرف منسوب کر دی گئی تھی اور پھر توبہ استغفار کیا گیا تھا کہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ "گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا کارِ ایمان تمام خواہد شد"

(نجمی صاحب کے تتبع میں ہم نے مندرجہ بالا شعر میں جو تصرف کیا ہے، اس کے لئے ہم قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہیں۔)